کشمیر — ایک تاثر

ماضی سے حال تک

عبدالقدوس انصاری احمد پور شرقیہ

بیدزاروں، آبشاروں، سرخ چناروں کا دیس مرغزاروں کی وادی اور زعفرانی کشت زاروں کی سرزمین جس کے بارے فارسی کے مشہور شاعر عرفی نے کہا تھا "گر مرغ کباب است کہ با بال و پر آید" کہ مرغ کا بھنا ہوا کباب اس وادی میں پہنچے تو اس کے بال و پر نکل آئیں گے۔ ایسے ہی کشمیر جنت نظیر کے بارے ایک شاعر نے بیساختہ کہا ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است | ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

وہی جنت نظیر کشمیر اسکی وادیاں پوری بہیمیت اور بیدردی سے ظالموں کے ظلم کی آگ میں جھلس رہی ہیں، جل رہی ہیں، خونِ ناحق سے بے پناہ سیلاب میں بہا رہی ہیں۔

اگرچہ اس ظلم و استبداد کی تاریخ بہت پرانی ہے جو ہر ظالم قوت اپنے جابر ہاتھوں سے مظلوم پر دہراتی ہے بموجودہ صورت حال کے پیش نظر کشمیری عوام اپنی بربادی و تباہ حالی کے پرچم ہاتھوں میں لئے اپنی آزادی خودمختاری اور حق کی خاطر بالکل نہتے بے سروسامان بغیر تیغ و تبر پنجہ آزما ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں فتح و نصرت سے نوازے۔ آمین۔ پنجہ آزمائی کی یہ داستان پرانی بہت پرانی ہے مگر پاکستان کی نئی نسل اور نئے عوام کو کشمیر کی تاریخ کے ان تاریخی حقائق ان بھولی بسری داستانوں کی کچھ خبر نہیں جو حقائق آج اس اہم موڑ پر پہنچ چکے ہیں، نئی پود نہیں جانتی کہ بدنام زمانہ "معاہدہ امرتسر" کے مطابق انگریزوں نے کشمیر کو اس کے عوام کو اس کے پہاڑوں کو اسکی جھیلوں کو اس کے میدانوں، مرغزاروں اور خوشبوؤں سے مہکتے ہوئے زعفران کے راشوں کو چھہتر لاکھ کی حقیر رقم کے بدلے آج سے ٹھیک ایک سو سال پہلے مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاتھوں بیچ دیا تھا — کچھ وقت گزرنے کے بعد غربت کے ہاتھوں بے بس و لاچار کشمیری مظلوموں نے باہم مشورے سے طے کیا کہ ہم ایک ایک روپیہ فی کس اکٹھا کر کے اتنی رقم انسانوں کی قیمت خریدنے والے مہاراجہ گلاب سنگھ کو واپس دے کر کشمیر کو واگزار کرالیں لیکن واحسرتا! کہ وقت گزر چکا تھا ———

واضح رہے کہ اُس وقت ظالم و مظلوم کی آویزش کا مقدمہ سُننے اور انصاف کرنے والا عالمی ادارہ مجلسِ اقوام بھی بیک بینی و دو گوش موجود تھا۔ جسے اکثر مظلوم ممالک کی مظلوم اقوام کفن چوروں کے معروف ادارہ سے یاد کرتی تھیں۔ یہ ادارہ آج بھی اپنے ہوش و گوش بڑی طاقتوں کے لئے وقف و مختص کئے ہوئے ہے جس پر علامہ اقبالؒ نے اپنی آفاقی شاعرانہ زبان میں اشارہ کرتے ہوئے ہوئے بڑی دردمندی سے کہا ؎

اے بادِ صبا گر بہ جنیوا گزر کنی | حرفے زما بہ مجلسِ اقوام باز گو
دہقان و کشت و جوئے و خیاباں فروختند | قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند

چنانچہ اُس ظلم و تعدّی کے خلاف متحدہ ہندوستان کی ایک سرفروش دردمند جماعت مجلسِ احرار اسلام جنّت نظیر کشمیر میں برستی ہوئی آگ و خون کی بارش پر مجسّم احتجاج بن کر اس ظلم و سفاکی کے خلاف صف آرا ہوئی۔ مگر وائے افسوس کہ اس نازک موقع پر ہندوستان کی کسی سیاسی، مذہبی اور سماجی جماعت نے (بمعیت مسلم لیگ) اسلامی اخوت اور انسانی جذبۂ ہمدردی و قومی یک جہتی کا مظاہرہ نہ کیا۔ بچھتر لاکھ کشمیری انسانوں کی بک جانے والی قسمت پر کسی مائی کے لال کی ہمت و غیرت سامنے نہ آئی۔ ظلم کے آتش فشاں میں بے خطر کود جانے والے بے سروسامان احرار کے سرفروش جیالے نمازِ عشق ادا کرنے کے لئے اس وادئ خون آشام میں پہنچ گئے یوں محسوس ہوتا تھا کہ ظالم و مظلوم کے فیصلہ کن معرکہ کا خوفناک بگل بج گیا ہے۔ دوسری جانب ملک کی سیاسی و مذہبی جماعتوں نے جن کا تعلق امراء و رؤسا سے تھا اپنی رُسوائی سے بچنے کی خاطر مجلسِ احرارِ اسلام پر طرح طرح کے بے نکتہ قصیدے اُچھالے گئے خود غرضی کے خطابات سے نوازا گیا۔ کہنے والوں نے تو اور بھی بہت کچھ الزامات عائد کئے جبکہ ان الزامات کا سچائی سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر احرار جانباز بھی اپنی دُھن کے پکّے تھے انہوں نے حاسدوں کے مخالفانہ ٹیس مٹیس کو پائے حقارت سے روندتے ہوئے اپنی جانوں کا نذرانہ لئے اس وقت کے ظالم ڈوگرہ راج کو پُوری دلیری اور شجاعت سے خبردار کرتے ہوئے للکارا ؎

اِدھر آ ظالم ہُنر آزمائیں ÷ تُو تیر آزما ہم جگر آزمائیں گے

چنانچہ ۱۹۳۰ء میں یہ سرفروش کوئے یار سے نکل کر سُوئے مقتل روانہ ہو گئے۔ اپنے رضاکار

ے شہرِ اقبالؒ (سیالکوٹ) میں جمع کئے اور یہیں سے نہتے جانباز مجاہدوں نے ڈوگرہ راج کی گولیوں اور سنگینوں کے سامنے تن کر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا آج بھی تاریخ جس کی شاھد ہے گواہ ہے یہ مجلسِ احرارِ اسلام کا شباب تھا جس شباب کے صدقے وہ ستاروں کو شکار کرنے نکلے جبکہ کسی نے بھی اُن کا ساتھ نہ دیا۔ وہ اپنی چمکتی کلہاڑیوں کے ساتھ میدانِ وغا میں اُتر گئے اور بقول ؎

براین کمال کہ دامن سنگ سنگ اُٹھا ؛ طوافِ شعلہ رخاں بار بار کرتے تھے

تاریخ اپنے آپ کو خود دُہراتی ہے اور تاقیامت دُہراتی رہے گی۔ تاریخی حقائق کے پیشِ نظر مذکورہ معروضات پیش کرنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ روزِ اوّل اگر تمام مسلمان اسوقت اتحّاد و یک جہتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کندھے سے کندھا ملا کر مجلسِ احرار کی معاونت کرکے محاذِ کشمیر میں بے خطر کود پڑتے تو آج کشمیر میں لہُو و آتش کی یہ ہولی نہ کھیلی جا رہی ہوتی۔ جس کے ردِعمل کے لئے آج ہم سانپ گزر جانے کے بعد لکیر پیٹنے کے علاوہ اپنی نمائشی بے عملی کا سوانگ رچائے باہم اتحاد و یک جہتی کا "تکلفاً" وعظ فرمانے میں مصروف ھیں۔ اپنی کوتاہ نظری و کم ہمتی سے اغماض کئے کشمیر کے بارے اپنی منتخب" نو زائیدہ جمہوری حکومت" پر طعن و تشنیع کے تیر برسا رہے ھیں۔ ہر جماعت ہر پارٹی ہر سیاسی رہنما ہر جبّہ و دستار کی حامل شخصیت ہر برسرِ اقتدار کھلنڈرا اپنی سیاسی، مذہبی سماجی و سرکاری دکانداری چمکانے کے لئے بے اثر صدائے احتجاج کا نقارہ پیٹ رہا ہے۔

معذرت خواہانہ عرض کرنے کی جسارت کا مقصد یہ نہیں کہ راقم کشمیر کے مظلوموں کی حق خودارادیت کا حامی و طرفداری نہیں حاشا و کلّا ——— واللہ باللہ ایسا نہیں۔ صرف اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے سوچیں جیسے کسی قدیم دَور میں کسی کہنے والے نے کہا تھا "کعبہ جانے اور کعبے والا جانے مجھے میرے اونٹ واپس کردو" ہمیں بھی اس حقیقت کو سامنے رکھ کر اوّل اوّل اپنے گھر کی حفاظت کرنی چاہیئے جو خس و خاشاک سے بھرا ہوا ہے اس کے بعد ذوی القربٰی کی باری آتی ہے آیئے اس ربّ کبریا کے حضور سجدہ ریز ہو کر گڑگڑائیں۔ اپنی سابقہ بے عملی کی معافی مانگیں کہ تلافیٔ مافات ہو اور کشمیر آزاد ہو ؎

توڑ اس دستِ جفا کیش کو یا ربّ جس نے
رُوحِ آزادیٔ کشمیر کو پامال کیا

شہدائے ختم نبوت کے نام

ساغر صدیقی مرحوم

جو شہادت کا جام پیتے ہیں!
سچ ہے مرتے نہیں وہ جیتے ہیں
اُن کو غلماں سلام کرتے ہیں
خلد میں وہ قیام کرتے ہیں
اُن سے تاریخ کے ورق روشن
عہدِ اسلاف کے سبق روشن
اُن کی تعظیم آسمانوں پر
اُن کا اِحسان دو جہانوں پر
بحرِ تقدیس کا صدف کہئے
یاد میں اُن کی گل فشاں رہئے
ملک و ملت کے وہ حبیب ہوئے
حوضِ تسنیم کے قریب ہوئے
لبِ یزداں پہ نام ہے اُن کا
کملی والا اِمام ہے اُن کا
وہ ستاروں میں رقص کرتے ہیں
ماہپاروں میں رقص کرتے ہیں
عظمتِ کائنات ہوتے ہیں
پاسبانِ حیات ہوتے ہیں